



# LGS GROUP OF COLLEGES

A PROJECT OF LAHORE GRAMMAR SCHOOL

Sheet # \_\_\_\_\_

Name: عائشہ فرحان Class: یونیفارم 10 Roll No. \_\_\_\_\_  
Subject: اردو Test No. 5-1 Date: 19-Nov-24

A	B	C	D	A	B	C	D	A	B	C	D	A	B	C	D	Marks Obtained
1				6				11				16				
2				7				12				17				
3				8				13				18				
4				9				14				19				
5				10				15				20				

## سوال نمبر 1

### خلاصہ

**خلاصہ:** غلام عباس اردو کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ "اور کوٹ" ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے کہ ہم وہ نہیں ہوتے جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت کو بناوٹ کے پردوں میں نہیں چھپایا جاسکتا۔

جنوری کی ایک شام کوئی فوش فوش نوجوان ڈبوس روڈ سے گزر کر محل روڈ پر بیٹھا اور پیرنگ کر اس کی طرف چلنے لگا۔ وہ پرافیشنل ایبل دکھائی دے رہا تھا، جسم پر بلامی رنگ کا اور کوٹ، سر پر سبز فیلٹ بیس، گردن تک گڑ سلاک کا سفید گلوبندر لیپٹا ہوا، ایک ہاتھ اور کوٹ کی جیب میں اور دوسرے میں چھوٹی سی پھڑکی تھامی بیٹھ گیا۔ اس وقت سردی خاصی شدید تھی مگر اس نوجوان پر کوٹ اتار نہیں تھا۔ اس کی طبیعت کی جو بچائی میں افسانہ بیوتا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اس نے احوال نکال کر اپنا جیرو صاف کیا۔ اس نے قریب ہی گھاس رکھنے والے جھول کو دیکھا جس پر نقوڑی دیر بعد وہ بچے بیٹھ ہوئے چلے گئے۔

صل روڈ پر اس وقت گلاٹوں، سانکھوں، اور پیدل چلنے والوں کا خاصہ رشتہ تھا۔ انے جانے والوں میں ہر عمر اور طبقے کے لوگ تھے جن میں تاجر، سرکاری افسر، فنکار، طلبہ اور افسادوں کے اندازے اور کوٹ پہنے ہوئے تھے۔

مگر نوجوان نے جو اور کوٹ بیٹھا ہوا تھا اس کا کپڑا بہت پرانا تھا مگر سلاٹ بہت اچھی تھی۔ نوجوان سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھ گیا اور آدھے جانے والوں کو دیکھنے لگ گیا۔ ایک بلی بھی اس کے قریب بیٹھ گئی اور وہ بہار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگ گیا۔ اس نے ہان سگریٹ پیچنے والے سے ایک سگریٹ لیا اور اس کے کش لپٹے لگا۔ نقوڑی دیر بعد وہ پھر سے مال



روڈ پر جانے لگا۔ کچھ لوگ ایک ہوٹل کے باہر حشرت سے آرکٹرا جتنا دیکھ  
 لے رہے تھے۔ لوجوان چند لمحوں کے لئے رکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔  
 راستے میں وہ ایک بک سٹال اور قالین فروش کے پاس رکا۔ شام سے اب  
 تک کوئی چہرہ اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکا تھا۔ وہ پانی کوڈٹ کے سامنے  
 والی روڈ پر جا رہا تھا کہ سچے سے ایک اینٹوں سے بھری ہوئی لاری آئی  
 اور اسے کچلتے ہوئے نکل گئی۔ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈرائیور  
 بھاگ گیا۔ لوگ جمع ہو گئے اور ایک ٹریفک انسپکٹر کی صداد سے لوجوان کو گاڑی  
 میں ڈال کر میو سپال لے گئے۔ اسے سٹریجر پر ڈال کر اپریشن روم لے گئے۔  
 اس کی دونوں ٹانگیں کچلی گئی تھیں۔ خون م بڑی مقدار میں بہہ چکا تھا۔  
 جونی ٹائرس کا لباس اُتار دیا گیا جیسے ہی گلوبند اُترا ٹائرس جبران  
 ہوئیں کیونکہ لوجوان قمیض سے محروم تھا۔ اہل کوڈٹ کے نیچے ایک  
 کھٹا پانا سویٹر اور خستہ حال بنیان تھا۔ پتلون بھی اٹھانے پرانی اور  
 گھسی ہوئی تھی، جیسے ہیڈ کی بجائے ایک پرانی ٹکٹائی سے باندھا گیا  
 تھا۔ پاؤں میں جرابیں تھیں اور اتنی پرانی اور پھٹی ہوئی تھیں کہ  
 لوجوان کی میل ابرھیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ لوجوان دم لوڑ چکا تھا۔

## سوال نمبر ۲

### ظالم نگاری

عامر اسلام و علیکم! حسن بھائی کہتے ہیں آپ؟  
 حسن: اللہ کا شکر ہے۔ میں کھٹک کھاگ لیوت!  
 عامر: کہتے تحصیل علم کا عمل کیسا جاری ہے؟  
 حسن: میں بھی محنت کر رہا ہوں اور اساتذہ بھی بھرپور مدد کر رہے ہیں۔  
 عامر: اساتذہ کی مدد حاصل کر مشق حل سبز جانا ہے۔  
 حسن: باادب، باذہب لیوت ہے۔ کھل ہمیشہ جھکی ہوئی نہیں پر لگتا ہے۔  
 ہم احترام سے تحصیل علم کی کوشش کریں تو اساتذہ فوش ہو کر  
 علم کا خزانہ بانٹیں گے۔  
 عامر: بالکل، بے ادب بے ذہب لیوت ہے۔ ادب پیلا زینہ اور قرینہ



یہ استاد محترم کے خزانے تک پہنچنے کا۔  
حسن: دراصل دو چار بچوں کی بے ادبی سے اساتذہ نالاں ہوئے ہیں اور بھرپوری

جماعت ان کے فیض سے محروم رہتی ہے۔  
عامر: بے شک اساتذہ نسلوں کو سوار کرتے ہیں۔ اساتذہ عظیم قومیں  
تشکیل دیتے ہیں۔

حسن: یورپ میں یہ عالم ہے کہ استاد اگر عدالت میں چلا جائے تو جج  
بھی ادب سے کھڑا ہو جاتا ہے۔

عامر: خلیفہ یاقون الرشید کے دلوں بیٹے بعد از خان اپنے استاد کے  
جوتے سپرد کرتے تھے اور خلیفہ نے اس بات پر رشک کیا تھا کہ  
خلیفہ وقت کے فرائض استاد کے جوتے سپرد کرتے تھے۔

حسن: سکندر اعظم یونانی نے کہا تھا کہ میرا باپ مجھے آسمان سے زمین  
پر لایا اور میرے استاد نے مجھے دوبارہ آسمان پر پہنچا دیا۔

عامر: بالکل حقیقت ہے۔ استاد وہ سیڑھی ہے جو بلند یوں تک پہنچنے میں  
مدد دیتا ہے۔

حسن: استاد بھی روحانی باپ ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری محض اولاد  
نہیں بلکہ کئی نسلوں کی ذمہ داری اس پر ہوتی ہے۔ اگر اس کو  
تعلیمی عمل میں مرکزیت حاصل نہیں ہوگی تو عمل تعلیم پر اثر  
ہو ہی نہیں سکتا۔

عامر: ہماری بحث سے ثابت ہے کہ استاد صاحب کی قدروں میں  
کوئی کمی نہیں ہوتی چاہے۔ اگر استاد کی بے قدری ہے تو معاشرہ  
تحصیل علم میں محاصرہ میں نہیں۔

حسن: افتخار والدین، اساتذہ، مسجد اور بڑوں کے ادب کو اہمیت حاصل ہو۔  
عامر: بالکل درست! ان سب میں تربیت کا اہل اور مرکزیت کے دار  
استاد کا ہی ہونا ہے۔

حسن: اچھا بھائی گھنٹی بج چکی ہے۔ استاد صاحب آنے والے ہیں۔ ان  
کے آنے سے پہلے ہی کتابیں کھول لیتے ہیں اور صوبہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں  
عامر: بالکل ان کے حضور خاموشی ہی ادب ہے۔ آپ سے اچھی گفتگو رہی۔

حسن: اللہ حافظ!

عامر: خدا حافظ!